تعویذات وعملیات

کی حقیقت وشرعی حیثیت

مؤلف

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

(صدرالمدرسین مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، اعظم گڈھ، یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

تعویذات وعملیات

کی حقیقت وشرعی حیثیت

مولف

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

(صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور، اعظم گڈھ یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ: 276403   موبائل: 9235327576

تفصیلات

نام کتاب	:	تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت
مؤلف	:	مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی
مرتب	:	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
صفحات	:	48
طبع اول	:	جنوری ۲۰۰۷ء
ناشر	:	مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
قیمت	:	20/=

ای میل: **zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲

☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب سے پہلے

تعویذات وعملیات دفع حاجات وحصولِ شفاء کا ایک موہوم سبب ہے۔ ہمارے دور میں اس سلسلے میں لوگ حد درجہ افراط وتفریط کا شکار ہیں، کچھ لوگ تو وہ ہیں جو اس کی مطلقاً نفی کرتے ہیں اور اسے بالکل حرام اور ناجائز بتاتے ہیں۔ اس کے بالمقابل ایک دوسری جماعت ہے جو تعویذات وعملیات پر قطعی یقین رکھتی ہے، اور دوسرے اسباب واقعیہ کو لائق اعتناء نہیں سمجھتی، اور اس میں ایسے ایسے افعال واعمال کا ارتکاب کر بیٹھتی ہے جس کے نتیجہ میں کبھی کبھی ایمان بھی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ أعاذنا اللّٰہ منہا

اس رسالہ میں تعویذات وعملیات کی حقیقت اور شرعی حیثیت کا جائزہ قرآن وحدیث اور اکابر امت کے اقوال کی روشنی میں لیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے میں جو گمراہیاں اور خامیاں در آئی ہیں ان کی نشاندہی کر کے راہ راست کی جانب رہنمائی کی گئی ہے۔ درجِ ذیل تحریر سے مؤلف کا نظریہ اس سلسلہ میں بخوبی واضح ہو جاتا ہے، ایک مکتوب میں اپنے ایک شاگرد کو لکھتے ہیں:

”تم نے عملیات کے بارے میں دریافت کیا، کہ انھیں تم عمل میں لانا چاہتے ہو تو سنو! کہ یہ بات ایک ایسے شخص کے لئے جو عالم دین ہو، خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو، اللہ پر بھروسہ رکھتا ہو، ہرگز زیبا نہیں ہے، عملیات ایک فتنہ ہے، اس میں پڑ کر آدمی بسا اوقات اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، کتابوں میں جو کچھ اس پر سبز باغ نظر آتے ہیں، جب کرنے لگو گے تو معلوم ہوگا کہ محض سَراب ہیں، اور ان تک پہونچنے کے لئے نہ جانے اپنا کتنا قیمتی سرمایہ برباد کرنا ہوگا، اس لئے ہرگز اس کے درپے نہ ہو، عملیات نہ کرو، اعمال حسنہ پر کاربند رہو۔

عملیات کا حاصل یہ ہے کہ آدمی خدا کی کائنات کو اپنی مٹھی میں لے کر اپنی مرضی کے تابع بنانا چاہتا ہے، یہ خدا کی جناب میں گستاخی ہے، انسان کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ خود خدا کی مرضی کا تابع بن جائے، پھر اگر ان کو منظور ہوگا تو دنیا کی بہت سی چیزوں کو اس کے تابع بنائیں گے۔............ اس خیال کو دل سے نکال دو، عملیات میں نہ پڑو، اللہ کے ذکر میں لگو، اس کی رضا جوئی کے ڈھب نکالو، یہی اصل کام ہے، باقی سب فضول۔“

ضیاء الحق خیرآبادی

۲۶ رجنوری ۲۰۰۷ء، جمعہ

تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے اس کارخانۂ عالم کو پیدا فرمایا، اور اپنی حکمت بالغہ سے اس میں وجود میں آنے والے تمام حوادث ووقائع کو اسباب اور علتوں سے مربوط کردیا۔ اسباب اوران کے نتائج کا ایک لامحدود سلسلہ ہے، جو زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا ہے، اسباب وعلل اور نتائج وعواقب کے اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے بے شمار حکمتیں رکھی ہیں، جن کا احاطہ اللہ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ انسان ان اسباب کو، اوران سے رُونما ہونے والے نتائج کو تلاش کرتا رہتا ہے، اور نئے نئے انکشافات اس کے سامنے جلوہ گر ہوتے رہتے ہیں، آج دُنیا میں سائنس نے ترقی اور ایجادات کی جو دھوم بپا کر رکھی ہے اس کی حقیقت بس یہی ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء کی تہوں میں اتر جاتا ہے، اور عجیب وغریب نتائج سامنے لاتا رہتا ہے، دنیا میں جس دور میں جہاں تک اسباب کا سراغ لگا ہے، اسی حد تک نئے نئے انکشافات ہوئے ہیں۔

اسباب کی شرعی تقسیم:

ان اسباب پر انسان مختلف زاویوں سے نگاہ ڈالتا ہے اور اپنے مطلب کی باتیں ان سے اخذ کرتا ہے، شریعت نے بھی ایک خاص نقطۂ نگاہ سے ان کا جائزہ لیا ہے، اوران کے احکام متعین کئے ہیں۔ سب جانتے ہیں کی دنیا کی

مخلوقات میں شریعت کا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ انھیں برت کر اللہ کی رضامندی حاصل کی جائے، ان کا استعمال اس طور پر ہو کہ اس سے آخرت کی زندگی درست ہو، اس اعتبار سے اسباب پر جب نگاہ ڈالی گئی تو اصولی طور پر ان کی تین قسمیں ہوئیں۔(۱) اسباب یقینیہ (۲) اسباب ظنیہ (۳) اسباب وہمیہ

اسباب یقینیہ اوران کا حکم:

اسباب یقینیہ وہ ہیں جن پر نتائج کا ترتب یقینی ہو، یا ان اسباب کے بغیر نتائج وجود میں نہ آئیں، اس کے خلاف ہونا خرقِ عادت سمجھا جاتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ان اسباب کے اختیار واستعمال کے بعد ان کے نتائج کا ظہور لازم ہو، یا یہ کہ ان کے نتائج کا ظہور ان اسباب کے بغیر نہ ہوتا ہو، اور اگر کبھی اس کے خلاف ہو، مثلاً یہ کہ سبب عمل میں لایا گیا، اور کوئی مانع بھی نہیں ہے، مگر اس کا نتیجہ ظاہر نہیں ہوا، یا وہ نتیجہ بغیر اس کے متعلقہ سبب کے ظاہر ہو گیا، تو اسے خرقِ عادت سمجھا جائے گا۔

اس کی مثال، جیسے زندگی کی بقاء کے لئے کھانا، آدمی بھوکا ہو اور کھانا نہ کھائے تو مر جائے گا، اور کھانا کھالے تو اس کی جان بچ جائے گی، کھانا زندگی کے تحفظ کے لئے سبب یقینی ہے، اور اگر کسی کی حیات کھانا کھائے بغیر باقی رہ جائے تو یہ خرقِ عادت ہے۔

اولاد حاصل کرنے کے لئے نکاح کرنا سبب یقینی ہے، بغیر نکاح کے اگر کوئی اولاد حاصل کرنا چاہے تو یہ محال ہے۔ جنت میں داخل ہونے کے لئے ایمان سبب یقینی ہے، ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہوسکتا، اور ایمان دل میں موجود ہو اس کے باوجود جنت سے محروم رہ جائے، ممکن نہیں۔

اسباب یقینیہ کا حکم یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ان کا اختیار کرنا واجب ہے، اگر کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہے، اور اس کے پاس کھانے کی کوئی چیز موجود ہو اور نہ کھائے اور مر جائے تو وہ گنہگار ہوگا، حتیٰ کہ اگر اس کے پاس حرام غذا ہے، مثلاً مردار یا خنزیر کا گوشت ہے، تو اسے جان بچانے کے بقدر کھانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

جو شخص بھوک کی شدت سے مجبور ہو جائے بشرطیکہ اس کا میلان ارتکابِ گناہ کی جانب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَیْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

تمہارے اوپر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کیا گیا، اور وہ جانور بھی جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، پھر جو کوئی مجبور ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو، اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں، بیشک اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والے، رحم فرمانے والے ہیں۔

ان دونوں آیات کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت اضطرار یعنی مجبوری میں مذکورہ بالا حرام چیزوں کے بقدر ضرورت کھا لینے میں کوئی گناہ نہیں ہوتا، اور نہ کھانے والے پر کوئی تاوان یا جرمانہ عائد ہوتا، اس کا حاصل یہ نکلا کہ وہ چیز اتنی مقدار میں اس کے لئے حلال ہوگئی، اگر اس کے باوجود وہ نہ کھائے

اور جان دیدے تو گنہ گار ہوگا۔

ہاں اگر ایسی چیز ہو، جس کے استعمال کے بعد اس پر کوئی تاوان عائد ہوتا ہو، تو اس کے کھانے کی حرمت موجود رہتی ہے، تاہم اگر وہ اس چیز کو کھا کر جان بچانا چاہے تو شریعت اس کی رُخصت دیتی ہے، البتہ حرمت چونکہ موجود ہے، اس لئے اگر عزیمت اختیار کرے اور اسے نہ کھائے تو گنہ گار نہ ہوگا۔

مثلاً دوسرے کا مال اس کے پاس موجود ہے، اور اسے صراحۃً یا دلالۃً اس کے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، تو حالت اضطرار میں اسے کھا کر جان بچالے تو اس کی رخصت ہے، مگر تاوان ادا کرنا ہوگا، اور اگر نہ کھائے، اور مرجائے تو گنہ گار نہ ہوگا۔ بہرحال ضرورت کے وقت...... بشرطیکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو...... اسبابِ یقینیہ کا استعمال ضروری ہے اور استعمال نہ کرنے کی صورت میں ہلاکت یا ضرر سے دوچار ہوجائے تو خطا کار شمار کیا جائے گا۔

اسبابِ ظنیہ اور ان کا حکم:

اسبابِ ظنیہ وہ ہیں، جن پر نتائج کا ترتب عموماً اور عادۃً ہوتا ہے، اور وہ نتائج عموماً انھیں اسباب سے متعلق ہوتے ہیں، یعنی ان اسباب کے بغیر وہ نتائج عام طور سے حاصل نہیں ہوتے، لیکن یہاں اسباب ونتائج میں وہ لزوم ووجوب نہیں ہوتا کہ باہم کبھی تخلف نہ ہو، اسباب کا نتائج سے اور نتائج کا اسباب سے تخلف ہوتا رہتا ہے، لیکن عام حالات میں ایک کو دوسرے کے لئے لازم ہی کی طرح سمجھا جاتا ہے۔

ان اسباب کو ظنیہ اس لئے کہا گیا کہ اصطلاح میں ظن کے معنی غلبۂ گمان

کے ہیں، گویا غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ جہاں یہ سبب ہوگا نتیجہ یہی نکلے گا، اور فلاں نتیجہ اپنے سبب کے بغیر ظاہر نہیں ہوگا۔

اس کی مثال شفائے امراض کے لئے دوا کرنا ہے، بیماری آتی ہے تو اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے آدمی دوا کرتا ہے، اور عموماً وعادۃً اس سے شفا حاصل ہوتی ہے، اور دوا نہ استعمال کی جائے تو ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے، لیکن بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ مریض نے دوا استعمال نہیں کی، اور شفایاب ہوگیا، یا بڑے اہتمام سے دوا کی، اور بیماری دور نہ ہوئی۔

دوسری مثال کسب مال کے لئے دنیاوی ذرائع کا استعمال ہے، یہ ذرائع بھی اسبابِ ظنیہ کی قبیل سے ہیں، کیونکہ عموماً انھیں ذرائع سے مال کا حصول ہوتا ہے، اوران کے بغیر مال نہیں ملتا، لیکن اس کے خلاف بھی کبھی ہوتا ہے کہ آدمی کسب مال کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کرتا، مگر مال اسے مل جاتا ہے، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ آدمی بہت محنت کرتا ہے مگر اس کے نتیجہ سے محروم رہتا ہے۔

اسباب ظنیہ کا حکم یہ ہے کہ عام لوگوں کے لئے ضرورت کے وقت ان کو اختیار کرنا، اوران کو عمل میں لانا، اسباب یقینیہ کی طرح واجب تو نہیں ہوتا، لیکن واجب کے قریب قریب ہوتا ہے، البتہ خواص مثلاً انبیاء وصلحاء کو ان کے احوال کے لحاظ سے کبھی ترک اور کبھی اخذ اولیٰ ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ سے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور اسی پر جمے رہو، ہم تم سے

رزق نہیں چاہتے ، ہم تمہیں روزی دیتے ہیں ، اور اچھا انجام تو تقویٰ کے لئے ہے۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو رزق کے ذرائع اختیار کرنے سے منع کردیا گیا ہے، اور وعدہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور خود بغیر اسباب ِظاہری کو اختیار کئے روزی دیں گے، پھر یہی سنت خاصان خدا کے حق میں آج تک جاری ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ اپنے کام کے لئے منتخب فرمالیتے ہیں ، انھیں غیب سے روزی پہونچاتے ہیں۔

اسباب ظنیہ کا اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، ہاں ان پر اعتماد کر لینا خلافِ توکل ہے، رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کون صاحب توکل ہوگا، مگر آپ نے زیادہ تر امور میں ان اسباب کو اختیار فرمایا ہے۔ جنگی تدبیریں، مورچہ بندی، زرہ پوشی، خندق کی کھدائی وغیرہ اسباب ظنیہ کی قبیل سے ہیں، انھیں آپ نے اختیار فرمایا، پھر بھروسہ اللہ پر کیا، البتہ ان اسباب میں انہماک اور غلو منافی توکل ہے، بالخصوص جب اتنا انہماک ہوجائے کہ ضروریاتِ دین مثلاً فرائض وغیرہ اور دوسرے اعمال خیر میں کوتاہی ہونے لگ جائے ، حقوقِ واجبہ کی ادائیگی میں قصور پڑنے لگے، تو یہ مذموم ہے، یہ انہماک اس بات کی نشانی ہے کہ اسے اللہ پر بھروسہ نہیں ہے۔

اسباب وہمیہ اور ان کا حکم:

اسبابِ وہمیہ وہ ہیں کہ ان کے نتائج میں ارتباط کسی یقینی یا ظنی دلیل سے ثابت نہ ہو، اس کی مثال ٹوٹکے ، فال ، بدشگونی ، داغنے کے ذریعے علاج اور تعویذات وعملیات وغیرہ ہیں ، مثلاً آنکھ پھڑکی تو فلاں بات ہوگی ، ہتھیلی میں

کھجلاہٹ ہوئی تو فلاں چیز ملے گی، صبح صبح گھر کی منڈیر پر کوا بولا تو مہمان آئیں گے، گھر سے کھانا کھا کر نکلو تو جہاں جاؤ گے کھانا ملے گا، نیولے نے راستہ کاٹ دیا ،اس لئے سفر منسوخ! کوئی آفت آئے گی وغیرہ۔

ان اسباب اور ان کے نتائج میں کوئی ربط دلیل یقینی یا ظنی سے معلوم نہیں، اسی طرح بعض بیماریوں میں جانوروں اور انسانوں کو داغتے ہیں، یہ بھی اسبابِ موہومہ میں سے ہے،تعویذ گنڈے اور عملیات جن کا آج کل عام رواج ہو رہا ہے، یہ بھی اسی ذیل میں آتے ہیں۔

ان اسباب کا حکم یہ ہے ان کا ترک،ان کے اختیار سے بہتر ہے۔بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ستر ہزار نفوس بلاحساب جنت میں داخل ہوں گے،ان کے اوصاف جو رسول اللہ ﷺ نے بیان کئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ: **ھم الذین لایتطیرون ولایکتوون ولا یسترقون وعلیٰ ربھم یتوکلون** ۔(بخاری شریف، **کتاب الطب، باب من لم یرق**) یہ وہ لوگ ہیں جو بدشگونی نہیں لیتے ، داغ سے علاج نہیں کراتے ، اور جھاڑ پھونک نہیں کراتے ،اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں توکل میں خلل انداز ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: **لا عدویٰ ولا طیرۃ** (بخاری شریف، **باب الطیرۃ**) چھوت کی بیماری کچھ نہیں،اور نہ بدشگونی کوئی چیز ہے۔ہاں نیک فالی آپ ﷺ نے قبول کی ہے،لیکن اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ آپ نے فرمایا: **الکلمة الصالحة یسمعھا أحدکم** (بخاری شریف،**باب الفال**) کوئی اچھی بات کان میں پڑ جائے (اور اس سے قدرے اطمینان حاصل ہو جائے)۔

رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی کسی ضرورت کے لئے کہیں تشریف لے جاتے اور آپ کے کان میں یانجیح (اے کامیاب) یا راشد (اے ہدایت یافتہ) کی آواز آتی تو اس سے خوش ہوتے۔ (فتح الباری بحوالہ ترمذی، ج:۱۰، ص:۱۷۶)

کبھی کسی کو کہیں کا عامل (حاکم) بنا کر بھیجتے، اور اس کا نام دریافت کرتے، تو وہ اگر اچھا نام بتاتا تو آپ کو مسرت ہوتی۔ (فتح الباری بحوالہ ابوداؤد،)

بس اتنا ہی، اس کے علاوہ کام کے کرنے نہ کرنے پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

تعویذات وعملیات:

تعویذ، گنڈے، جھاڑ پھونک اور عملیات وعزائم کو ہم نے اسباب وہمیہ کے ذیل میں شمار کیا ہے، اس سے وہ کلمات اور دعائیں مستثنیٰ ہیں، جن کی تاثیر رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں سے ثابت ہیں، یہ کلمات عموماً دعاؤں کے ذیل میں آتے ہیں، ان کا تعلق اصطلاحی عملیات سے نہیں ہے، عملیات اور تعویذ گنڈوں میں کرنے والا کوئی اور ہوتا ہے اور معمول کوئی اور۔ اس کے برخلاف حدیث میں جو کلمات رقیہ کے وارد ہیں، ان میں بکثرت خود صاحب حاجت کے پڑھنے کے ہیں، اور ضرورت کے وقت دوسرا بھی اس پر پڑھ دیتا ہے، پھر جب ان کی تاثیر حدیث سے ثابت ہے، تو وہ اسباب ظنیہ کی قبیل کے ہوں گے، ہماری گفتگو ان عملیات وعزائم اور تعویذات ونقوش سے ہے، جن کی تاثیر نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اس کے سلسلے میں آج کل بہت غلو پیدا ہو گیا ہے، یہ غلو اثبات میں بھی ہے اور نفی میں بھی۔

نفی کا غلو اور اس کے مضر اثرات:

نفی کا غلو یہ ہے کہ بعض لوگ منصوص رُقیوں کے علاوہ تمام تعویذات کو

ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں، جن حضرات نے نفی کا یہ پہلو اختیار کیا ہے، وہ احتیاط کی راہ چلے ہیں، کیونکہ بلا شبہ اس راہ سے بہت سی گمراہیاں طبیعتوں میں پختہ ہوتی ہیں، توہمات بڑھ جاتے ہیں، باہم بدگمانیاں اور رنجشیں اس سے پیدا ہوتی ہیں، بسا اوقات آدمی مشرکانہ اقوال واعمال میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شریعت حقہ اسلامیہ نے تعویذ گنڈوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے، بلکہ اگر کچھ ہے، تو اس کی بے وقعتی معلوم ہوتی ہے۔ البتہ بعض مواقع پر اس کا ثبوت موجود ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاً تو یہ چیز حد جواز میں ہے، لیکن اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

لیکن مطلقاً ہر طرح کے تعویذ گنڈوں کی نفی کر دینے میں ایک ضرر بھی ہے، وہ یہ کہ انسانی زندگی میں کبھی کبھی اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے، اور تمام مسلمان توکل واعتماد کے ایک ہی رتبہ پر نہیں ہوتے، اور نہ سب اہل ایمان عزیمت کے بلند معیار پر پورے اتر سکتے، اس لئے اگر ایک جائز چیز کو (خواہ وہ جواز کے ادنیٰ ترین مرتبہ پر ہو) یک قلم ناجائز قرار دے دیا جائے گا، تو یہ لوگ اپنے کو بعض حالات میں مجبور قرار دے کر کھلم کھلا شرک میں مبتلا ہو جائیں گے، اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، اور جب ان کے پاس جائز تدابیر موجود ہوں گی تو اسی میں لگے لپٹے رہیں گے، اور ان کا ایمان اسی سے محفوظ رہے گا، اور کفار ومشرکین کے پاس جانے سے بچے رہیں گے، ورنہ وہی لوگ جو تعویذ گنڈوں کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں میں نے خود دیکھا ہے کہ کسی ابتلاء میں پڑے ہیں تو انھوں نے ایسے اعمال بھی کر ڈالے ہیں جن میں ان کا ایمان محفوظ رہنا ممکن نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے دو صحابیوں کو یمن بھیج رہے تھے، تو آپ نے انھیں وصیت فرمائی تھی:

یَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا (بخاری شریف)لوگوں کے لئے سہولت کا خیال رکھو، دشواری پیدا نہ کرو۔ جائز امور کو ناجائز کہہ دینا، امت کو دشواری میں ڈال دینا ہے، بعض لوگوں نے نہایت شد ومد کے ساتھ ان اسباب وہمیہ کو ناجائز اور شرک کہا، مگر جب مبتلا ہوئے تو کوئی حد ٹوٹنے سے باقی نہیں رہی۔

واقعہ یہ ہے کہ جھاڑ پھونک ہو یا تعویذ گنڈے اور عملیات، ان کا تعلق عبادات سے نہیں ہے کہ اس کے ہر ہر فرد کا ثبوت قرآن وسنت سے پیش کرنا ضروری ہو، یہ از قبیل تدابیر دنیویہ اور علاج کے ہے، جس طرح دنیوی تدبیروں اور علاج ودوا میں صرف اتنا دیکھا جاتا ہے کہ ان میں کوئی ناجائز اور حرام چیز شامل نہ ہو، اس کے بعد وہ تدبیر اور وہ علاج بے تکلف اختیار کیا جاتا ہے، آج دیکھ لیجئے! انسانوں نے اپنی ضروریات کے لئے کیسی کیسی تدبیریں ایجاد کرلی ہیں، علاج معالجہ کی کتنی نئی نئی شکلیں نکل آئی ہیں، یہ انگریزی طریقۂ علاج ہے، یہ یونانی ہے، یہ آیورویدک ہے، یہ ہومیو پیتھ ہے، یہ دیسی طریقۂ علاج ہے۔ ان میں اتنا ضروری ہے کہ شریعت اسلامی نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے کوئی چیز شامل نہ ہو، لیکن انھیں صرف اس لئے ناجائز تو نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن وسنت میں ان کا ذکر نہیں آیا ہے۔

اسی طرح تعویذات وغیرہ ایک طریقۂ علاج ہے، اس میں کوئی غلط چیز شامل نہ ہو، نہ اس سے کسی کو بے جا نقصان پہونچانے کا ارادہ کیا گیا ہو، اور نہ اس کو بذات خود مؤثر سمجھتا ہو، تو اس کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں اگر کوئی صریح حدیث یا آیت نہ ہوتی، جب بھی شریعت کی روشنی میں یہی مسئلہ اخذ ہوتا، لیکن یہاں تو جھاڑ پھونک کے لئے صحیح احادیث بھی موجود ہیں۔

مسلم شریف کی روایت ہے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

کنا نرقی فی الجاھلیة فقلنا یا رسول اللہ کیف تریٰ فی ذٰلک فقال أعرضوا علیٰ رقاکم لابأس بالرقیٰ مالم یکن فیه شرک ،(فتح الباری ج:۱۰،ص:۱٦۰) ہم زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کرتے تھے، ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں فرمایا کہ اپنے جھاڑ پھونک کے کلمات میرے سامنے لاؤ، جھاڑ پھونک میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔

روایتیں اور بھی ہیں، مگر بیانِ جواز کے لئے ایک ہی حدیث کافی ہے، اب اگر کوئی اصرار کرے کہ بس وہی رقیہ اور جھاڑ پھونک جائز ہے، جو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، تو اس کو مذکورہ بالا روایت کو پیش نظر رکھنا چاہئے، یا اسے پھر یہ بھی اصرار کرنا چاہئے کہ علاج ودوا صرف وہی جائز ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو، یا پھر وہ ثابت کرے کہ جھاڑ پھونک کے اعمال وتدابیر از قبیل عبادات ہیں، لیکن یہ دونوں باتیں مشکل ہیں۔

اِثبات میں غلو اور اس کا نقصان:

اثبات کا غلو یہ ہے کہ لوگ ان تعویذات وعملیات پر قطعی یقین کر لیتے ہیں، اور ان کے علاوہ دوسرے اسباب واقعیہ کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے، یا ان سے بڑھ کر انھیں کو سمجھتے ہیں، جہاں کوئی بیماری لمبی ہوئی، یا اس کے اسباب کی شناخت میں دقت ہوئی، بس جھاڑ پھونک اور عاملوں کے پاس بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی ہے، یہ غلو نفی کے غلو سے بڑھا ہوا ہے، اور اس سے زیادہ مضر ہے، ہمارے اس مضمون کا موضوع اسی غلو کی اصلاح ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ تعویذات وعملیات کو ان کے درجے سے آگے بڑھا دیا گیا ہے، ان کی حیثیت اوپر واضح کی جا چکی ہے، ہم بتا چکے ہیں کہ یہ امور اسباب وہمیہ میں سے ہین جن کا ترک ان کے اخذ سے اولیٰ ہے، نیز یہ کہ یہ چیزیں مخل توکل ہیں۔

عالم شہود اور عالم غیب:

اس کی مزید توضیح یہ ہے کہ آدمی کا اپنی زندگی میں دو طرح کی چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ان دونوں سے کسی انسان کو مفر نہیں، ایک تو دنیا کی ظاہری چیزوں سے جنھیں روزمرہ انسان برتتا ہے اور ان کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے، ان چیزوں کی تعبیر ہم اس مضمون میں ''عالم شہود'' سے کریں گے، جیسے آگ جلاتی ہے، پانی پیاس بجھاتا ہے، کسی کو مارو تو چوٹ لگتی ہے، وغیرہ۔

دوسرے اس کا سابقہ کچھ مخفی حقائق سے پڑتا ہے، جیسے اللہ کی ذات وصفات، فرشتوں کا وجود اور ان کے تصرفات، جنات کا وجود اور ان کی کارستانیاں، سحر اور اس کی تاثیرات، ان کی تعبیر ہم ''عالم غیب'' سے کریں گے، ناظرین ان دونوں اصطلاحوں کو ذہن نشین کرلیں، آگے یہی دونوں اصطلاحیں استعمال ہوں گی۔

عالم شہود کی چیزوں میں یقین اور ظن:

عالم شہود میں کسی چیز یا سبب کا یقین حاصل کرنے کے چار ذرائع ہیں:

(۱) اوّل یہ کہ انسان اپنے پانچ ظاہری حواس سے اس کا ادراک کرلے، یعنی کان سے سنے، آنکھ سے دیکھے، زبان سے چکھے، ناک سے سونگھے، ہاتھ سے چھوئے، ان حواس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے۔

(۲) دوسرے وہ ایسی چیز ہو، جس کے تسلیم کرنے پر عقل انسانی مجبور ہو، اور اس کے خلاف کو کسی طرح قبول نہ کرے، مثلاً اجتماعِ ضدین محال ہے، دو اور دو کا مجموعہ چار ہے۔ کل جز سے بڑا ہے، وغیرہ، علم ریاضی کا مدار اسی پر ہے۔

(۳) بار بار کسی چیز کا تجربہ حاصل ہو، اور کبھی اس تجربہ کے خلاف نہ ہوا ہو، جیسے آگ جلاتی ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس میں جلنے والی کوئی چیز ڈالی جائے اور وہ نہ جلائے۔

(۴) چوتھے خبر متواتر، یعنی اس کی خبر اتنے آدمیوں نے ہر دور اور ہر جگہ میں دی ہو کہ ان کا کسی جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو۔ عالم شہود میں ان چاروں ذرائع سے یقین پیدا ہوتا ہے، عالم شہود کے جن اسباب کا یقینی ہونا ان راستوں سے ثابت ہو جائے، وہ بلا شبہ اسبابِ یقینیہ کے ذیل میں شمار ہوں گے، اور عالم شہود کے اسباب ونتائج میں غلبۂ ظن عموماً تجربوں کی بنیاد پر ہوتا ہے، مثلاً فلاں دوا سے جسم میں فلاں اثر پیدا ہوتا ہے، یہ ایسے تجربات ہیں کہ ان میں یقینی اسباب ونتائج جیسا لزوم ووجوب نہیں ہوتا، ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسباب پائے جائیں اور نتائج ظاہر نہ ہوں، جیسے دوا استعمال کی گئی مگر شفا نہیں ہوئی، کسب مال کے ذرائع مہیا کر لئے گئے، مگر مال حاصل نہیں ہوا، یا دوا استعمال نہیں کی گئی اور شفا حاصل ہوگئی، یہ تجربی اسباب، حصول نتائج کے حق میں ظن کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔

عالم غیب کی چیزوں میں یقین اور ظن:

عالم غیب کی چیزوں میں اور اس کے اسباب ونتائج میں یقین پیدا کرنے کا ذریعہ صرف وحی الٰہی ہے، وحی، انبیائے کرام پر نازل ہوتی ہے، بس نبی نے جو خبر دی ہے وہ بالکل یقینی ہے، جن لوگوں نے براہ راست اپنے کانوں سے

ان کی زبان سے سنا، ان کے حق میں بھی، اور جن لوگوں تک تواتر کے ساتھ وہ خبر پہونچی ان کے حق میں بھی، عالم غیب کی خبروں تک یقینی رَسائی کا اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں۔

وحی الٰہی کی خبر دوسروں تک پہونچنے کے دو ذریعے جو ابھی مذکور ہوئے ان کے علاوہ ایک صورت اور ہے، اور وہ یہ کہ وحی الٰہی ایک دو افراد کے واسطے سے پہونچے، اسے علماء کی اصطلاح میں خبر واحد کہتے ہیں، یہ طریقۂ خبر یقین کی کیفیت پیدا کرنے سے قاصر ہے، اس سے غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے، کیونکہ جن دو افراد کا واسطہ یا واسطہ در واسطہ ہورہا ہے، ان کے بارے میں مختلف احتمالات ہیں، ان میں کوئی جھوٹا ہو، کسی کا حافظہ کمزور ہو، کسی نے بات ہی نہ سمجھی ہو اور اپنے الفاظ میں ادا کردیا ہو، غرض کئی احتمالات ہیں، جو یقین کو مضمحل کرتے ہیں، اور اگر بالفرض تمام واسطے معتبر، عادل، ضابط اور فہیم ہوں جب بھی یقین کی پوری کیفیت نہیں پیدا ہوسکتی، کیونکہ معتبر ہونا، عادل، ضابط ہونا، فہیم ہونا، یہ سب انسانی فیصلے ہیں، اور انسانی فیصلے غلطی سے قطعاً پاک ہوں گے، کون اس کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ اس لئے بہر حال یقینی کیفیت پیدا کرنے کی صلاحیت خبر واحد میں نہیں ہے، ہاں غلبۂ ظن اس سے پیدا ہوگا۔

اس طرح وحی الٰہی کو بنیاد بنا کر حضرات مجتہدین جو کچھ قیاس کرتے ہیں، یعنی منصوص احکام میں علتیں تلاش کرکے انھیں غیر منصوص وقائع وحوادث پر منطبق کرتے ہیں، اور ان کا حکم متعین کرتے ہیں، چونکہ اس میں عقل انسانی کا خاصا دخل ہوتا ہے، بلکہ وہی موثر عامل ہوتی ہے، اس لئے اس سے بھی یقین پیدا نہیں ہوتا، محض غلبۂ ظن پیدا ہوتا ہے، کیونکہ پیغمبر کے علاوہ کسی انسان کی عقل

معصوم نہیں ہے، قیاس سے جو غلبۂ ظن حاصل ہوتا ہے وہ خبر واحد کے مقابلے میں کمتر ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر واحد اپنی ذات میں وحی الٰہی ہے، بس واسطوں کی وجہ سے اس میں تیقن مضمحل ہوگیا ہے، لیکن قیاس تو ابتداء ہی سے عقل انسانی کی کاوش کا نتیجہ ہے، البتہ وحی الٰہی کی روشنی میں وہ کاوش کی گئی ہے، اس لئے اس کا درجہ سب سے فروتر ہے، تاہم ظن سے کمتر درجہ نہ ہوگا۔

تعویذات وعملیات کا معاملہ:

عالم غیب اور عالم شہود میں حصول یقین اور غلبۂ ظن کے سلسلے میں یہ تفصیلات ملحوظ رکھئے، اس کے بعد غور کیجئے کہ تعویذات وعملیات کے واسطے سے بھی بعض انسانی حاجات پوری ہوتی ہیں، بیماریاں دور ہوجاتی ہیں، سحر وآسیب کا اس سے اِزالہ ہوتا ہے، اس سلسلے میں دو سوال ہیں۔

(۱) ان کا تعلق عالم غیب سے ہے یا عالم شہود سے؟

(۲) یہ اسباب یقینیہ کے ذیل میں آئیں گے یا اسباب ظنیہ کے، یا اس کے نیچے اسباب وہمیہ کے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ تعویذات کا تعلق عالم شہود سے بھی ہے اور عالم غیب سے بھی، عالم شہود سے اس طرح کہ ایک آدمی کسی مرض میں گرفتار ہوتا ہے، یا اسے سانپ ڈستا ہے، یا بچھو ڈنک مارتا ہے، پھر اس پر کوئی شخص چند کلمات پڑھ کر دم کرتا ہے، اسے کوئی نقش گھول کر پلاتا ہے، یا کوئی تعویذ اس کے جسم پر باندھ دیتا ہے، اس سے اس کو شفا ہوجاتی ہے۔ یہ ایک عام انسانی تجربہ ہے، اس پورے عمل میں چند کلمات کا پڑھ کر دم کرنا، نقش لکھنا، اسے گھول کر پلانا، کوئی نقش مریض کے جسم پر باندھنا، اور پھر مریض کا شفایاب ہونا، یہ جو کچھ ہوا عالم شہود

سے تعلق رکھتا ہے، لیکن یہ بات کہ ان کلمات اور نقوش میں شفا کی یہ "تاثیر" ہوتی ہے، عالم غیب کی چیز ہے، کیونکہ مرض اور شفا تو محسوس چیز ہے، مگر کلمات کی تاثیر ایک معنوی چیز ہے، جس کا حواس کے ذریعہ ادراک کرنا ممکن نہیں، اس کے برخلاف کسی دوا کو جسم میں داخل کیا جائے، تو اس کے اثرات ونتائج حواس کے ذریعے، آلات وغیرہ کی مدد سے معلوم کئے جاسکتے ہیں، لیکن کلمات زبان سے ادا کئے گئے، اور اس کی تاثیر مریض کے جسم میں پہونچ گئی، اور مرض یا سحر اس سے متاثر ہوگیا، یہ تاثیر اور تأثر ایک غیبی امر ہے، اسی طرح مثلاً بدن پر آسیب کا اثر ہونا، سحر ہونا از قبیل شہود نہیں، غیب ہے، پھر اس کی تشخیص کے ذرائع گو کہ عالم شہود کی چیزیں ہیں، لیکن ان کی مدد سے یہ متعین کرنا کہ یہ سحر ہے یا آسیب ہے، غیبی چیز ہے، پھر اس کو دفع کرنے کی جو تدبیریں کی جاتی ہیں، وہ بھی غیب وشہود کا مجموعہ ہوتی ہیں، بہرحال جھاڑ پھونک کا ایک سرا عالم غیب میں پہونچا ہوا ہے۔

اوپر ہم ذکر کرچکے ہیں کہ غیبی حقائق کے سلسلے میں یقین یا ظن پیدا کرنے کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت ہے، بغیر وحی الٰہی کے نہ یقین حاصل ہوسکتا ، اور نہ ظن، یہاں انسانی تجربات کچھ مفید نہیں ہیں، جس حد تک ان کا تعلق عالم شہود ہے، تجربہ مفید ظن ہوسکتا ہے، اور جہاں سے غیب کی سرحد شروع ہوجاتی ہے تجربہ کا عمل موقوف ہوجاتا ہے۔

اس لحاظ سے غور کرنا چاہئے کہ تعویذات وغیرہ کو کس زمرے میں رکھا جائے؟ چونکہ ان کا تعلق عالم غیب سے بھی ہے، اور اس کے لئے وحی الٰہی کی ضرورت ہے، اور یہاں بجز چند دعاؤں اور کلمات کے کسی اور کے حق میں وحی الٰہی نہیں ہے، اس لئے ان معدودے چند کے علاوہ سب ساقط الاعتبار ہونے

چاہئیں، اور اس حیثیت سے کہ ان کا تعلق عالم شہود سے ہے، تجربہ کی بناء پر ظن حاصل ہو جانا چاہیئے، پس دونوں کے تعلق کی وجہ سے نہ تو ظن کا درجہ دیا جا سکتا ہے، نہ بالکل ساقط الاعتبار قرار دیا جا سکتا، اس لئے ضروری ہوا کہ انھیں اسباب موہومہ قرار دیا جائے، چنانچہ امام غزالیؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہی لکھا ہے، ہاں جن کلمات کی تاثیرات حدیث سے ثابت ہیں، وہ اس سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں گے۔

ہماری اس گفتگو سے تعویذات وعملیات کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے کہ دفع حاجات اور حصول شفاء کے لئے یہ ایک سبب تو ضرور ہے، مگر موہوم! اس لئے اس سے اجتناب کرنا ہی اولیٰ ہے، اور ان میں انہماک اور ان میں کثرت اشتغال تو بہر حال محمود نہیں ہے، بس ضرورت کے وقت بقدر ضرورت اس کو اختیار کیا جا سکتا ہے، ہمارے اکابر اور بزرگوں نے بھی تعویذ لکھے ہیں، لیکن ضرورت پر! اس کی حوصلہ افزائی کبھی نہیں کی، اور نہ کبھی بطور پیشہ اور مشغلہ کے اسے اختیار کیا، تعویذات کے سلسلے میں لوگوں کے عقائد بہت بگڑے ہوئے ہیں، اگر اہل حاجت سے کوئی تعویذ لکھنے والا یہ کہے کہ خود دعا کرو، اور میں بھی دعا کرتا ہوں، تو انھیں اطمینان نہیں ہوتا، جب تک کچھ لکھ کر دے نہ دیا جائے، مزید ستم یہ کہ ہر تعویذ کو یہ اللہ کے بندے اللہ کا کلام سمجھتے ہیں، اور بہت سے تعویذ کا دھندا کرنے والے یہی باور کراتے ہیں، حالانکہ تعویذ میں کبھی اعداد کے نقوش ہوتے ہیں، کبھی کچھ اور کلمات ہوتے ہیں، ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، محض گمراہی ہے۔

تعویذات سے بزرگی کا تعلق نہیں:

ایسے ہی عوام کا اعتقاد ہر تعویذ نگار اور عملیات والے کے بارے میں بزرگی اور خدارسیدگی کا ہوتا ہے، حالانکہ اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ یہ ایک طریقۂ علاج ہے، دفع حاجات کا ایک ذریعہ ہے، اس سے بزرگی اور نسبت مع اللہ کا کوئی تعلق نہیں، کتنے فاسق وفاجر بلکہ کافر زبردست عامل ہوتے ہیں، مگر عجب مصیبت ہے کہ آدمی لٹیں بڑھالے، خوفناک صورت بنالے اور شریعت کے ہر حکم سے بالکل آزاد ہو، مگر عامل ہو تو وہ بزرگ سمجھا جاتا ہے، اور کوئی واقعی احکام شرع کا پابند ہو، نیک دیندار ہو، مگر عملیات سے واسطہ نہ رکھتا ہو، تو وہ کچھ نہیں، کس قدر غلط خیال دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔

عملیات کا ماہر صاحب نسبت نہیں ہوسکتا:

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عملیات میں اشتغال رکھنے والا اللہ سے دور ہوتا ہے، اس کو اللہ پر نہیں اپنے عملیات پر اعتقاد ہوتا ہے۔ میرے شیخ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کے شیخ حضرت مولانا حماداللہ صاحب سندھی قدس سرہٗ کے ملفوظات ''تجلیات ہالیجوی'' میں ہے کہ حضرت کے پاس ایک نوجوان آیا، اس نے دست غیب کا عمل سیکھنے کی درخواست کی، حضرت نے اسے دیر تک سمجھایا، اور اخیر میں فرمایا کہ کامل بنو بیٹا کامل! عامل مت بنو، پھر دونوں کا فرق ظاہر فرمایا کہ کامل وہ ہوتا ہے جو خدا کی مرضی پر چلنا چاہتا ہے، اور عامل وہ ہے جو خدا کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتا ہے۔

ایک صاحب نسبت بزرگ اور عامل میں بہت سچا فرق بتایا، صاحب

نسبت بزرگ اللہ سے دعا کرتا ہے اور منتظر رہتا ہے، اگر خدا نے دعا سن لی تو سبحان اللہ! اور اگر اس کی دعا نہیں پوری ہوئی، جب بھی وہ دل سے راضی رہتا ہے، اس کے برخلاف عامل اپنے عمل کے زور پر اعتماد کرتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ یہ کام ہو ہی جانا ہے، وہ درحقیقت خدا کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتا ہے۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحماں صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! آپ عامل ہیں؟ فرمایا کہ توبہ کرو جی! عامل صاحب نسبت نہیں ہوتا۔

عامل کا سارا تعلق عملیات سے ہوتا ہے، اللہ سے نہیں، یہ ایک پُر خطر چیز ہے، اس میں عامل اپنے تصرفات عجیبہ کو دیکھتا ہے، تو اس کا نفس پھول جاتا ہے، اور دوسرے بھی اس کے عجیب وغریب اثرات کو دیکھ کر فریب میں مبتلا ہوتے ہیں، حالانکہ اسے ذرا بھی قربِ الٰہی نصیب نہیں ہوتا۔

عملیات کی ابتداء:

عملیات کی ابتداء کہاں سے ہوئی؟ اس کے نقصانات کیا ہیں؟ ان سوالات کو حل کرنے کیلئے سورہ بقرہ کی یہ تین آیتیں پیش نظر رکھئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوْاالشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى

يَقُوْلَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَارِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔

ان تینوں آیات کریمہ میں یہود اہل کتاب کی ایک گمراہی بیان کی گئی ہے، اور یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ جس بلا میں یہود مبتلا ہوکر گمراہ ہوئے تھے، اس ابتلاء میں یہ امت بھی پڑسکتی ہے، اس لئے اس کی پیش بندی کردی گئی۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بہت اہتمام کے ساتھ ان آیات پر غور کرنا چاہئے، اور اہل کتاب کی جس گمراہی کی نشاندہی اس میں کی گئی ہے اس سے خود کو بچانا چاہئے۔

پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: (ان یہودیوں کا حال یہ ہے کہ) ان کے پاس جب اللہ کا رسول آیا تو (اس کا رسول ہونا ہی اس بات کا مقتضی ہے کہ اس کی پیروی کی جائے مگر یہاں تو اس سے بڑھ کر یہ بھی ہے کہ) وہ (رسول) اس چیز کی (یعنی ان علوم اور اس کتاب کی) تصدیق کرتا ہے، جو ان کے پاس ہے، (کہ بیشک وہ اللہ کی کتاب ہے، اور اس کے علوم اللہ کی طرف سے ہیں، اس پر تو ان کو مان جانا چاہئے، مگر اس کے برعکس ہوا یہ کہ) ان کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور ایسے بن گئے جیسے کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے پھینکنے کا نتیجہ یہ بیان

فرمایا کہ انھوں نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ کتاب اللہ کو پس پشت ڈالا، بلکہ اس کے ساتھ وہ ان باتوں کے پیچھے چلے (اور اختیار کیا) جو سلیمان کے زمانہ میں شیاطین پڑھا کرتے تھے، جبکہ سلیمان نے کوئی کفر کا کام نہیں کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، وہی لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے تھے (نیز وہ یہود) ان باتوں کے بھی پیچھے چلے، جو بابل میں ہاروت اور ماروت پر اتاری گئیں، حالانکہ وہ دونوں (فرشتے) کسی کو وہ باتیں نہیں سکھاتے تھے جب تک ان کو متنبہ نہ کر دیتے کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں، لیکن وہ ان سے ایسی باتیں سیکھ لیتے تھے جن سے آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کرادیں، اور (یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ) وہ اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو ذرا بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے، اور وہ ان سے ایسی باتیں سیکھتے تھے، جو ان کے حق میں مضر ہوتی تھیں، مفید نہیں، اور ان کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو ان باتوں کو خریدے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اور بلاشبہ بری چیز ہے، وہ جس کے عوض انھوں نے اپنے کو (یعنی اپنے ایمان کو) فروخت کر دیا، کاش یہ جانتے، اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، کاش وہ سمجھتے (تو ایسا نہ کرتے)

ان آیات کے متعلق خاص بات جو اس وقت عرض کرنی ہے، یہ ہے کہ اللہ کی کتاب پس پشت ڈال دی گئی، اور اس کے بجائے کچھ دوسری چیزیں اختیار کر لی گئیں، سوچنے والے اگر غور کریں گے تو دونوں کا ربط پالیں گے کہ ان دو چیزوں میں سے جب ایک کو اختیار کیا جائے گا تو دوسری چیز سے دست برداری قدرتی طور پر ہو جائے گی، اگر کوئی شخص کتاب کی پیروی کرے گا تو سحر وغیرہ سے دور ہوگا، اور جو سحر وغیرہ میں مبتلا ہے وہ اللہ کی کتاب سے محروم ہوگا، اب غور کیجئے

کہ آدمی کے لئے بالخصوص اہل ایمان کے لئے اصل سرمایہ کتاب اللہ ہے، اس میں اس کے لئے دنیا میں نورِ ہدایت ہے، مرنے کے بعد ثوابِ آخرت ہے، قلب کی طہارت اور دماغ کی نظافت ہے، گویا تمام تر ایمانی زندگی کا انحصار اسی پر ہے، اگر کوئی چیز اس سے آدمی کے تعلق کو ختم کرادے یا کم کرادے، تو ظاہر ہے کہ وہ چیز اس کے حق میں کتنی مضر ہوگی، ان آیات کی روشنی میں دو چیزیں ایسی نظر آتی جو انسان کے تعلق کو خدا کی کتاب سے منقطع کرتی ہیں۔ اوّل سحر کا فن، جسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد نبوت وحکومت میں شیاطین نے تصنیف اور مدوّن کیا تھا۔ دوسرے وہ چیزیں جو بابل میں دونوں فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نازل ہوئی تھیں۔

شیاطین کی تصنیف کے بارے میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ وہ سحر ہے، اور سحر کا عمل کفر ہے، یہود نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی تہمت رکھی تھی کہ وہ ساحر ہیں، شاید یہ خیال اس لئے پیدا ہوا تھا کہ ان کی حکومت میں جنات وشیاطین اور چرند وپرند سب مسخر تھے، اور عام خیال یہی ہے کہ یہ چیزیں بزور سحر مسخر ہوا کرتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ سلیمان نے کفر کا ارتکاب نہیں کیا، یعنی انھوں نے کبھی سحر کا عمل نہیں کیا، ہاں سحر کا عمل شیاطین کیا کرتے تھے، اور وہ اسے سکھاتے بھی تھے، یہاں تک تو تمام مفسرین کا اتفاق ہے۔

ہاروت اور ماروت پر کیا چیز نازل ہوئی تھی؟

لیکن اس کے آگے **وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ ببابل هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ** (اور جو کچھ بابل میں ہاروت و ماروت پر اتارا گیا) اس میں کئی اقوال ملتے ہیں۔

سب سے پہلے تو وَمَا اُنْزِلَ کے عطف میں اختلاف ہے کہ اس کا تعلق کس سے ہے؟ اس میں تین قول ہیں۔(۱) وَمَا اُنْزِلَ کا عطف مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ پر ہے، یعنی یہود نے شیطان کی تصنیف کردہ باتوں کی پیروی کی، اوران باتوں کی بھی پیروی کی جو فرشتوں پر اتاری گئی تھیں، اور ہم نے آیات کا جو ترجمہ کیا ہے، اس میں اسی قول کے مطابق ترجمہ ہے۔(۲) وَمَا اُنْزِلَ کا عطف السحر پر ہے، یعنی شیاطین سحر سکھاتے تھے، اور وہ باتیں سکھاتے تھے، جو فرشتوں پر نازل کی گئی تھیں۔(۳) وَمَا اُنْزِلَ کا عطف وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ پر ہے، یعنی نہ سلیمان نے کفر کیا، اور نہ دونوں فرشتوں پر کچھ اتارا گیا، اس قول کے مطابق ما نافیہ ہے، اس احتمال کو بہت کم مفسرین نے اختیار کیا ہے، کیونکہ اس قول کی صورت میں آیت کے الفاظ غیر مربوط اور منتشر ہو جاتے ہیں۔

دوسری چیز اس میں محل غور وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ کی مراد ومصداق ہے، عام طور سے اس سے بھی سحر ہی مراد لیا گیا ہے، مگر اس پر چند اشکالات ہیں۔

(۱) اگر اس سے بھی مراد سحر ہی ہے، تو بظاہر عطف کا کوئی فائدہ نہیں معلوم ہوتا، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ معطوف علیہ عام سحر ہے، اور معطوف خاص سحر ہے، تو بھی عطف الخاص علی العام میں کوئی نکتہ ہونا چاہیئے، وہ نکتہ کیا ہے؟ قاعدہ یہ ہے کہ عام کے بعد کوئی خاص چیز اس وقت ذکر کی جاتی ہے جب اس میں کوئی خصوصی فائدہ ملحوظ ہوتا ہے، یہاں بظاہر کوئی خاص فائدہ محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ دونوں سحر ہی ہیں۔

(۲) سحر ایک فعل حرام ہے، بلکہ کفر ہے، اور اس کی تعلیم دینا کفر کی تعلیم دینا ہے، جو کہ حرام ہے، اس حرام کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کا انتخاب کیوں

کیا، جبکہ اس کے لئے شیاطین کی ایک مستقل مخلوق موجود ہے، فرشتے تو معلم ہدایت ہوتے ہیں نہ کہ معلم ضلالت!

(۳) سحر کی تعلیم تو بنص قرآنی شیاطین دیا ہی کرتے تھے، پھر وہ کون سا سحر تھا، جس کے لئے فرشتوں کو بھیجا گیا؟

(۴) عطف کا تقاضا ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت ہو، یہاں معطوف علیہ السحر وماتتلو دونوں سے مراد سحر ہی ہے، اب چاہئے کہ وماأنزل سے مراد سحر کے علاوہ کوئی شئ ہو۔

دوسرے اور تیسرے اعتراض سے بچنے کیلئے بعض حضرات نے ہاروت اور ماروت کے فرشتے ہونے کا انکار کیا ہے، ان کے نزدیک یہ لفظ مَلِکَیْن ہے، جس کے معنی بادشاہ کے ہیں، یہ دونوں ان کے بقول جادوگر تھے، گویا جادو کی دو قسمیں ہوگئیں، ایک عام جادو، دوسرے وہ جادو جو بابل کے دو جادوگر بادشاہ سکھایا کرتے تھے، لیکن آیت کے الفاظ اس مطلب پر بخوبی منطبق نہیں ہوتے۔

حضراتِ مفسرین (شکر اللہ مساعیہم) نے عموماً ان سبھی اعتراضات سے تعرض کیا ہے اور ان کے جواب دیئے ہیں، لیکن احساس ہوتا ہے کہ ان جوابات میں تاویل بعید کی راہ اختیار کی گئی ہے، بہت عرصہ اس میں خلجان رہا۔ محدث وقت حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمہ نے اپنے استاذ محترم امام العصر حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کی ایک کتاب ''مشکلات القرآن'' کے نام سے شائع کی، یہ شاہ صاحب کی مستقل تصنیف نہیں ہے، مطالعہ اور غور وفکر کے دوران قرآنی آیات کے متعلق کچھ باتیں بطور یادداشت کے شاہ صاحب لکھ لیا کرتے تھے، انھیں حواشی کو مرتب کرکے ان پر

مزید تعلیقات لکھ کر مولانا بنوری نے شائع کیا ہے، اس میں یہ مقام دیکھا تو انھوں نے جو لکھا ہے وہ بات دل میں اتر گئی ، اور تمام اشکالات رفع ہو گئے ، اور کہیں تاویل بعید کا ارتکاب نہیں کرنا پڑا۔ شاہ صاحب نے بات بہت واضح لکھی ہے، لیکن میں تلاش کرتا رہا کہ اگلے مفسرین کے یہاں اس سلسلے کی کوئی بات مل جائے، مگر میری نگاہ قاصر ہے، صراحت مجھے نہیں ملی ، البتہ اشارات ملے ۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بھی قصص القرآن میں حضرت شاہ صاحب کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

(وَمَا اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَیْنِ) عطف علیٰ ما تتلو و لیس فیه دلیل علیٰ أن ما أنزل علیهما كان سحراً بل یدل العطف علی المغائرة یعنی **وَمَا اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَكَیْنِ** کا عطف **مَاتَتْلُوْا** پر ہے، اور اس میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ فرشتوں پر جو کچھ نازل کیا گیا تھا، وہ سحر تھا، بلکہ عطف کی دلالت تو یہ ہے کہ یہ سحر کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔

پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضراتِ مفسرین نے اسے سحر کیوں قرار دیا، اس کا جواب شاہ صاحب نے دیا کہ: **و إنما أوهم الناس قران فی اللفظ** چونکہ **سحر** اور **ما أنزل** دونوں متصلاً ہیں، اسی لئے لوگوں کو دھوکہ ہوا کہ یہ دونوں چیزیں شاید ایک ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ جب یہ سحر نہیں ہے، تو پھر کیا ہے؟ وہ کون سی چیز ہے جو فرشتوں پر نازل ہوئی اور وہ باعث فتنہ بھی ہوئی۔ شاہ صاحب کی بصیرت نے یہاں بہت معقول چیز تلاش کی، فرماتے ہیں: **و إنما كان من العزائم مثلاً مما**

مادته لیس بشَرٍّ لکنهٔ کالادویة الطبعیة ویورث شراً کمایفعله الناس من عمل السیفی فی إهلاک من شاء وا وتکون أدعیة لایشترط فیها صلاح الداعی کقصة بلعوم وأصحاب العزائم (مشکلات القرآن:۲۵)

فرشتوں پر جو کچھ نازل کیا گیا وہ عملیات کی چیزیں تھیں، جن میں بذات خود کوئی شر نہیں ہے، لیکن ان میں اسی طرح تاثیر ہوتی ہے جیسے دواؤں میں، اور ان سے بھی برے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس طرح کے اعمال بذاتِ خود مباح ہوتے ہیں، ان سے دوسروں کی ہلاکت اوران کو پریشان کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے، جیسا کہ ایک عمل، عمل سیفی کہلاتا ہے، اس سے دشمنوں کو ہلاک کیا جاسکتا ہے، ان عملیات میں ایسے کلمات اور ایسی دعائیں ہوتی ہیں، جن کے لئے عامل کا نیک ہونا بھی شرط نہیں ہے، جیسا کہ بلعم باعورا ایک عامل تھا، اس کے علاوہ اور بھی عاملوں کا حال دیکھا جاسکتا ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں سب اشکالات حل ہوجاتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ فرشتوں پر سحر کا علم نہیں اتارا گیا تھا، بلکہ وہ عملیات کا علم تھا، جو بذاتِ خود مباح ہے، اس میں جھاڑ پھونک کے تمام جائز طریقے، تعویذات، نقوش، ردسحر، دفع آسیب اور عزیمتیں وغیرہ داخل ہیں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ علم منجانب اللہ اتارا گیا ہے، لیکن اس کیلئے پیغمبروں کو واسطہ نہیں بنایا گیا، بلکہ یہ کام دو مخصوص فرشتوں سے لیا گیا، اور فرشتے بھی ان عملیات کی عمومی تعلیم نہیں دیتے تھے، بلکہ خاص خاص لوگوں کو سکھاتے تھے، اور ساتھ ساتھ حتی الامکان اس کے سیکھنے سے منع کرتے تھے، تاہم ایک شرط کے ساتھ سکھا دیتے تھے، یہیں سے

عملیات کی بنیاد پڑی، پھر اس کا سلسلہ چل پڑا۔

حضراتِ مفسرین نے ہاروت اور ماروت کے اس علم کو سحر قرار دیا ہے، اگر سحر سے مراد یہی عملیات والا علم لے لیا جائے تو اوپر جو پہلا اشکال ذکر کیا گیا ہے، وہ بھی حل ہو جائے گا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سحر ایک عام لفظ ہے۔ امام رازیؒ نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: **إعلم أن لفظ السحر فى عرف الشرع مختص بكل أمر يخفى سببه ويتخيل علىٰ غير حقيقة** (تفسیر کبیر) سحر شریعت کی اصطلاح میں ہر وہ چیز ہے جس کا سبب پوشیدہ ہو، اور حقیقت کے خلاف معلوم ہو۔

اسی لئے علماء نے ذکر کیا ہے کہ ہر سحر کفر نہیں ہوتا، بلکہ جس سحر میں شرکیہ الفاظ ہوں وہی کفر ہوتا ہے، اس لحاظ سے عملیات وعزائم جن کی تاثیر سحر جیسی ہوتی ہے انھیں بھی سحر کہا جا سکتا ہے، یہ سحر حرام نہیں، جائز ہے۔

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ:

قال الشيخ ابومنصور القول بأن السحر كفر على الاطلاق خطأ بل يجب البحث عن حقيقته فإن كان فى ذٰلک رد ماثبت بالشرع قطعاً فهو كفر وإلا لا (تفسیر مظہری، ج:۱، ص:۱۰۶) شیخ ابو منصور نے فرمایا کہ سحر کو مطلقاً کفر کہنا غلطی ہے، اس کی حقیقت دیکھنی چاہئے، اگر اس میں شریعت کے احکام قطعیہ کا انکار ہو تو کفر ہے، ورنہ نہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''سحر کے فسق یا کفر ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر اس میں کلمات کفریہ

ہوں، مثل استعانت بہ شیاطین یا کواکب وغیرہ، تب تو کفر ہے، خواہ اس سے کسی کو ضرر پہونچایا جائے، اور اگر کلمات مباح ہوں تو اگر کسی کو خلافِ اذنِ شرعی کسی قسم کا ضرر پہونچایا جائے اور کسی غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے، تو فسق اور معصیت ہے، اور اگر ضرر نہ پہونچایا جائے، نہ اور کسی غرض ناجائز میں استعمال کیا جائے، تو اس کو عرف میں سحر نہیں کہتے بلکہ عمل یا عزیمت یا تعویذ گنڈہ کہتے ہیں اور مباح ہیں، البتہ لغت میں لفظ سحر اس کو بھی شامل ہے۔(بیان القرآن، تفسیر آیت ھاروت وماروت)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سحر کی دو قسمیں ہیں، حرام اور جائز، لیکن عرف میں سحر حرام کو مطلق سحر کہتے ہیں، اور سحر حلال کو سحر نہیں کہتے۔ اب اگر مــا أنزل سے مراد سحر ہی ہے تو وہ سحر حلال ہے، اس طرح سے بھی معطوف علیہ اور معطوف میں مغائرت ہوجاتی ہے، اور پہلا اشکال ختم ہوجاتا ہے۔

چند سوالات:

یہاں چند سوالات اور بھی ہیں، جن کا حل کرنا ضروری ہے۔

(۱) عملیات وعزائم کے علم کو نازل کرنے کی کیا وجہ ہوئی؟ یہ کوئی دینی اور شرعی علم تو ہے نہیں کہ آسمان سے باقاعدہ ان کے نازل کرنے کی ضرورت ہوتی، ایک دنیوی علم ہے، تو جیسے دوسرے دنیوی علوم کے اصول وفروع عقل انسانی پر کھول دیئے گئے ہیں، اسے بھی کھول دیتے۔

(۲) پھر نزولِ وحی کے لئے تو دنیا میں انبیاء کرام مخصوص ہیں، انھیں چھوڑ کر فرشتوں کا انتخاب اس کے لئے کیوں ہوا؟

(۳) اگر یہ عمل مباح ہے، تو فرشتے اس سے منع کیوں کرتے تھے، اور جب منع

ہی کرنا تھا،تو بالکل نہ سکھاتے ،سکھانا اور سیکھنے سے منع کرنا ، دونوں باتیں نا قابل فہم معلوم ہوتی ہیں۔

ان سوالات سے ''مشکلات القرآن'' میں تعرض نہیں کیا گیا ہے ، اور درحقیقت وہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے کہ اس میں کسی چیز کی مفصل بحث ہوتی ، وہ توغور وتدبر اور مطالعہ کے دوران کچھ اشارات شاہ صاحب نے نوٹ کر لئے تھے، جنھیں مرتب کر دیا گیا ہے،اس سلسلے میں ان کے پاس تفصیلی علم ضرور رہا ہوگا، اب کوئی کیسے جانے کہ ان کے ذہن میں کیا تھا،لیکن یہ خاکسار انھیں کی برکت سے ان سوالات کے حل کی کوشش کرتا ہے، اگر اس میں صحت ہے،تو اللہ کی طرف سے ہے،اور اگر اس میں غلطی ہے،تو ایک ظلوم وجہول سے اور کس چیز کی امید کی جا سکتی ہے۔اللہ تعالیٰ درگذر فرمائیں۔

پہلے سوال کا جواب:

پہلے سوال کا حل خاکسار کے ذہن میں یہ ہے کہ یہ اس دور کی بات ہے جب بابل وغیرہ کے علاقوں میں سحر کی کثرت تھی ، سحر ایک حقیقت ہے ، اس میں شیاطین سے ساحر مدد لیتا ہے، اور اس کے ذریعے دوسروں کو نقصان پہونچاتا ہے۔سحر میں صرف نظر بندی نہیں ہوتی بلکہ اس کے ذریعے سے انسان کو طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کیا جاتا ہے، سحر کبھی جسم پر ہوتا ہے، کبھی دماغ پر ہوتا ہے، کبھی گھر پر ہوتا ہے، کبھی جانوروں پر، غرض سحر جہاں جہاں پہونچتا ہے اس کا ضرر پھیلتا جاتا ہے، سحر کا علاج اطباء کے علم سے خارج ہے، کیونکہ اطباء اسبابِ ظاہری سے مرض کی تشخیص کرتے ہیں، اور دواؤں سے اس کا علاج کرتے ہیں، اور سحر اسبابِ ظاہری میں سے نہیں ہے، اس کا تعلق مخفی طور سے ہے، اس کی تشخیص

بھی اور اس کا علاج بھی طبیب اور ڈاکٹر کی دسترس سے باہر ہے، آج بھی جبکہ فن طب عروج کے آخری مرحلوں میں ہے، سحر کے علاج سے یہ پورا فن بے بس ہے

سحر کا دفعیہ سحر ہی سے ہوسکتا ہے، جادو کا علاج جادو ہی سے ہوسکتا ہے، چنانچہ کفار و مشرکین دوسروں کو ضرر پہونچانے کے لئے بھی، اور ضرر کو دفع کرنے کیلئے بھی سحر ہی کو عمل میں لاتے ہیں، مگر اہل ایمان کے لئے اس میں دشواری یہ ہے کہ سحر میں اعمال کفر ہیں، ان میں عموماً شیاطین کی پوجا ہوتی ہے، ان کی دہائی دینی پڑتی ہے، گندگی میں ملوث ہونا پڑتا ہے، کبھی ننگ دھڑنگ ہوکر کوئی عمل کرنا پڑتا ہے، کبھی کسی کنویں میں پیشاب کرنا ہوتا ہے۔ غرض وہ اعمال خبیثہ کا مجموعہ ہوتا ہے، ہر ایک اس کے قریب نہیں جاسکتا، کیونکہ ایمان ہاتھ سے جاتا رہے گا، جادو ہر ایک پر چل سکتا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اہل ایمان پر جادو اثر نہ کرے بلکہ شیطان جو انسان کو بہکانے کی قسم کھا کر آیا ہے وہ اہل ایمان کے زیادہ درپے آزار رہتا ہے، وہ اس صورت سے اہل ایمان کو بہت تنگ کرتا ہے کہ کسی طرح ان کے ایمان میں رخنہ ڈالے، ایسی صورت میں مسلمانوں کو بھی ضرورت پیش آئی کہ ایسی کوئی مخفی تدبیر ہو، جس سے سحر کے اثرات کا ازالہ کیا جاسکے، اس بنا پر اللہ کی مشیت مقتضی ہوئی کہ سحر جیسا علم ایمان والوں کے پاس بھی ہو، جو مشرکانہ خرابیوں سے پاک ہو، مگر تاثیر میں سحر ہی جیسا ہو، تاکہ سحر کے اثرات اس کے ذریعے زائل کئے جاسکیں۔ اسی مصلحت کے تحت مشیت الٰہی نے کلمات وحروف اور اَعداد کی تاثیرات کا علم فرشتوں پر نازل کیا، چنانچہ اس کے اصول وقواعد، انسانوں نے فرشتوں سے اخذ کئے اور پھر اپنی فطری ذہانت، حکمت اور تجربوں سے آگے بڑھایا، اور تاثیر میں اسے سحر کے ہم پایہ بلکہ اس سے بلند کردیا۔

دوسرے سوال کا حل:

دوسرا سوال یہ تھا کہ وحی کے لئے انبیاء کرام مخصوص ہیں، پھر اس کے لئے فرشتوں کا انتخاب کیوں ہوا؟ اس کا حل آسان ہے، وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں ہدایت کے لئے مبعوث ہوتے ہیں، ان پر اسی کے متعلق وحی نازل ہوتی ہے، اور اس کے مناسب علوم سکھائے جاتے ہیں، اسے علم شریعت کہتے ہیں، اور ان عملیات کا تعلق ہدایت سے نہیں، ان کا تعلق تکوینی امور سے ہے، اس کا تعلق براہ راست ثوابِ آخرت یا رضاءِ الٰہی سے نہیں ہے، بلکہ یہ علم ایک فتنہ ہے اس سے گمراہ ہونے کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے انبیاء کا دامن اس علم کی جزئیات وتفصیلات سے پاک رکھا گیا، جیسا کہ شعر وشاعری سے انبیاء کی طبیعتوں کو دور رکھا گیا، حالانکہ اس میں بہت سے فوائد بھی ہیں۔

رہے فرشتے تو وہ اللہ کے حکم سے تکوینیات اور تشریعیات سب کی خدمت انجام دیتے ہیں، انھیں یہ علم دے کر بھیجا گیا تو اس میں ذرا بھی اشکال نہیں ہے، یہ بالکل بدیہی امر ہے، غالب گمان ہے کہ وہ فرشتے دنیا میں بشکل بشر رہے ہوں گے، ورنہ انسان ان سے استفادہ کیسے کرتا؟

تیسرے سوال کا حل:

تیسرا سوال یہ تھا کہ جب یہ عمل مباح ہے، تو فرشتے اس سے منع کیوں کرتے تھے، اور سکھاتے کیوں تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا سکھانا تو ضرورت کی بنا پر تھا، اسی لئے اس کی تعلیم عمومی نہیں ہوتی تھی، خاص خاص لوگوں کو سکھایا جاتا تھا، لیکن جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس کی تاثیر سحر جیسی ہے، اس لئے

اگر اس سے صحیح کام لیا جاسکتا ہے تو اسے غلط جگہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، اس سے سحر اتارا جاسکتا ہے تو اس سے ضرر بھی پہونچایا جاسکتا ہے، اس کے ذریعہ جن، آسیب کو بھگایا جاسکتا ہے تو اس سے مسلط بھی کیا جاسکتا ہے، اور طبیعت میں ذرا بھی کمزوری ہو......اور عموماً کمزوری ہوتی ہی ہے......تو آدمی فائدہ پہونچانے کے بجائے الٹا نقصان پہونچانے لگتا ہے جیسا کہ دنیا کی عام طاقتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ ایک آدمی دولت مند ہوجاتا ہے، کوئی شہ زور ہوجاتا ہے، کسی کو حکومت مل جاتی ہے، تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ اس کا جتنا وہ صحیح استعمال کرتا ہے، اس سے زیادہ غلط استعمال کرنے لگ جاتا ہے، یہی حال عامل کا ہوتا ہے، اس کے ہاتھ میں جب عملیات کی طاقت آجاتی ہے تو ایک آدمی کو نفع پہونچاتا ہے تو دس آدمیوں کو نقصان پہونچادیتا ہے، پھر عاملوں کے پیچھے بہت سے خودغرض لوگ بھی لگ جاتے ہیں، اس کی خوشامد کرتے ہیں، اس کی خدمت کرتے ہیں، اور وہ ان سے متاثر ہوجاتا ہے، پھر وہ اس سے الٹے سیدھے کام کرانے لگتے ہیں، بلعم باعورا کے ساتھ یہی ہوا، وہ عامل تھا، اس کے پاس غالباً اسم اعظم تھا، اس کی زبان سے نکلی ہوئی بات پوری ہوجاتی تھی، اس کو لوگوں نے ہدیوں تحفوں سے اتنا نوازا، اور دنیا کی حرص میں اتنا پھنسایا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرنے کیلئے تیار ہوگیا، اور بالآخر اس کا ایمان سلب ہوگیا۔ اس کی زبان لٹک گئی، اور ہمیشہ کے لئے لعنت میں گرفتار رہا۔ قرآن کریم میں **واتل علیھم نبأالذی آتیناہ آیاتنا الخ** کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے اس کے واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔

اس کے علاوہ اس میں ایک اور فتنہ ہے، اور وہ بہت بڑا فتنہ ہے، جو اکثر عاملوں کو اپنی زد میں لے لیتا ہے، وہ ہے عورتوں کا فتنہ! سحر اور آسیب کا اثر زیادہ

ترعورتوں پر ہوتا ہے، انھیں حدیث میں حبالۃ الشیطان کہا گیا ہے، شیطان اسی صنف کو زیادہ تاکتا ہے، سحر کا اثر بھی انھیں پر زیادہ ہوتا ہے، یہ مریض ہوکر عاملوں کے پاس جاتی ہیں، عامل ان پر اپنے عملیات کو آزماتا ہے، اور شیطان ان کے ایمان اور تقویٰ کو آزمائش میں ڈالتا ہے، عملیات کی دنیا میں اس کی اتنی مثالیں ہیں کہ انھیں نہ شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ زیادہ تفصیل کی حاجت ہے۔

پھر یہ ایک اندھا علم ہے، جس سے دوسرا شخص بالکل نابلد ہوتا ہے، عامل کیا کرتا ہے؟ کیا پڑھتا ہے؟ کیا لکھتا ہے؟ اس کی دوسرے کو کچھ خبر نہیں ہوتی، اکثر دیکھا جاتا ہے کہ عامل ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ضرور بتاتا ہے، کسی پر سحر، کسی پر آسیب، پھر وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ کچھ کھلایا گیا ہے، یا زمین میں گاڑا گیا ہے، جن ہیں تو کتنے ہیں؟ کہاں کے ہیں؟ اتنے خبیث ہیں، اتنے فلاں ہیں وغیرہ، غرض جو الٹا سیدھا وہ بتاتا ہے، معمول کو بے چوں وچرا تسلیم کرنا پڑتا ہے، اس کے پاس اس کے صدق وکذب کو پرکھنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ عملیات کی دنیا میں جتنا دھوکہ فریب ہے، کم کہیں اور ہوگا، عامل اس دھندے کی وجہ سے حرام اور ناجائز کمائیاں کرتا ہے۔

مزید یہ کہ عامل اپنے کسی عمل سے کبھی یہ بھی متعین کرتا ہے کہ فلاں نے سحر کیا ہے، یا کرایا ہے، فلاں نے جنات کو مسلط کیا ہے، فلاں نے چوری کی ہے، حالانکہ جن دلائل سے وہ تعیین کرتا ہے وہ سرے سے دلائل ہیں ہی نہیں، محض اَوہام ہیں، پوچھنے والا یقین کرلیتا ہے، جو شرعاً غلط ہے، پھر آپس میں بدگمانیاں، شکایتیں اور لڑائیاں ہوتی ہیں۔

غرض یہ کہ اس کی وجہ سے چند در چند خرابیاں وجود میں آسکتی ہیں، اور

آتی رہتی ہیں،اوراوپر جتنی خرابیاں ہم نے ذکر کی ہیں سب ایمان کے لئے مہلک ہیں،اور کفر کے شعبے ہیں،بلعم باعورااسی کی وجہ سے کفر میں گرا،اسی واسطے فرشتے کہتے تھے کہ: **إنما نحن فتنة**،ہم توایک طرح کی آزمائش ہیں،انھوں نے اپنے کوآزمائش اپنے علم کے اعتبار سے کہا،یعنی ان کا یہ علم ایک فتنہ ہے،فتنہ کے معنی آزمائش کے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مال اوراولاد کوبھی فتنہ کہا ہے، اورآزمائش جب ہوتی ہے تواس کا نتیجہ کبھی خیر کی صورت میں نکلتا ہےاور کبھی شر کی صورت میں،اسی طرح یہ علم بھی محل پر استعمال کیا جائے تو خیر ہے،اور بے محل استعمال کیا جائے توشر ہے،فرشتے اس کا آزمائش ہونا ظاہر کر کے فرماتے ہیں کہ: **فلا تکفر** ،یعنی دیکھواس کوسیکھ کر کفر میں مت پڑ جانا،درحقیقت اس کے سیکھنے کو کفر نہیں فرمایا،سیکھنا اگر کفر ہوتا تو اس کے لئے فرشتے کا آنا مناسب نہ تھا،اس کے لئے شیاطین کافی تھے،ان کی منشاء یہ ہے کہ سیکھنے کوتو تم سیکھ لوگے،مگراندیشہ ہے کہ اس کی وجہ سے خرابیوں میں مبتلا ہوگے اور انجام کار کفر میں جاپڑوگے،ان کے اس کہنے کے بعد کوئی اطمینان دلاتا کہ وہ ہمیشہ برمحل ہی اسے عمل میں لائے گا ،تووہ قول وقرار لے کر سکھادیتے،مگر نتیجہ وہی ہوا کہ وہ قول وقرار کچھ کرتے اور سیکھ کر آتے تو میاں بیوی کے درمیان تفریق کرانے میں اپنے عمل کوآزماتے۔یہ عمل کفر کی صرف ایک مثال اللہ تعالیٰ نے دی ہے،اسی پر دوسرے اعمال بد کوبھی قیاس کیا جاسکتا ہے،حالانکہ وہ جانتے تھے کہ جوان برائیوں میں مبتلا ہوکر کفر تک جاپہونچے گا،وہ آخرت میں محروم ہوگا،اوراگراس کے بجائے وہ ایمان اورتقویٰ پر کاربند ہوتے،توان کے حق میں یہ خیر کی بات ہوتی،مگر دنیا کے متوالوں نے اسے نہیں سمجھا۔

عامل کا تعلق کتاب اللہ سے کم ہوتا ہے:

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ جو لوگ عملیات کے دھندے میں لگتے ہیں، ان کا تعلق اللہ کی کتاب سے بہت کم رہ جاتا ہے، ان کی بندگی اور عبدیت میں فتور آجاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات سے ان کا تعلق ہوتا بھی ہے تو محض دم کرنے کے لئے، فال نکالنے کے لئے، دنیا کے واسطے کوئی وظیفہ پڑھنے کے لئے، جنّات کو مسخر کرنے کے لئے، گھر سے آسیب دفع کرنے کے لئے، تلاوت اور ثواب کی نیت سے نہیں، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نہیں۔ حدیث میں وارد ہے کہ: **إنما الاعمال بالنیات وإنما لإمری ما نویٰ** (بخاری شریف: پہلی حدیث) اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، اور آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی، تو ظاہر ہے کہ قرآن کی آیات پڑھنے سے جب ثواب آخرت کی نیت نہیں کی گئی، بلکہ مذکورہ بالا اغراض یا اور کسی غرض کے لئے پڑھی گئیں، تو اسے وہی ملا جس کی اس نے نیت کی، آپ کثرت سے عاملوں کو اور ان کے پاس ہجوم کرنے والوں کو دیکھیں گے کہ وہ خاص خاص سورتوں اور خاص خاص آیات کا وِرد کرتے رہتے ہیں۔ قرآن جس مقصد کے لئے اتارا گیا ہے، اسے تو ایک طرف رکھ دیتے ہیں، اور جو چیزیں کبھی ضرورت کے وقت ضمناً اس سے حاصل کی جاسکتی ہیں، انھیں مقصود بنا لیتے ہیں، اس طرح قرآن کی اصل برکات اور فوائد سے انسان محروم ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت سے ہر حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں (ترمذی شریف) نیت کے بدل جانے کی وجہ سے یہ نیکیاں وہ کھو دیتا ہے، پھر جن لوگوں کو تعویذ گنڈوں کا زیادہ انہماک ہو جاتا

ہے، انھیں شیطان غلط جگہوں پر اور غلط لوگوں کے پاس بھی پہونچا دیتا ہے، جہاں ایمان محفوظ نہیں رہتا۔

علماء دیوبند اور تعویذات:

علماء دیوبند ابتداء ہی سے دین خالص کے داعی اور نقیب رہے ہیں، شرک وبدعت کے خلاف ان کا جہاد شروع سے چل رہا ہے، ان حضرات کی خاص صفت یہ ہے کہ یہ مسائل واحکام میں افراط وتفریط سے کام نہیں لیتے، بلکہ اعتدال کو ملحوظ رکھتے ہیں، تعویذ کے باب میں بھی ان کا رویہ اعتدال پر رہا ہے۔ حضرات اکابر دیوبند نے تعویذ لکھے ضرور ہیں، لیکن نہ بطور فن کے اور نہ بطور مشغلہ کے، انھوں نے اس کے لئے نہ کوئی عمل کیا نہ چلہ کشی کی، اور نہ اصطلاحی طور پر تعویذ کی زکوٰۃ ادا کی، بعض لوگوں نے ان اکابر کی طرف تعویذ کی بعض کتابیں منسوب کر کے شائع کی ہیں، لیکن ان کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی جس طرح بیاض بنا کر متفرق معلومات اور اشعار نوٹ کرتا رہتا ہے، ان میں سے بعض حضرات نے اپنی بیاضوں میں کچھ تعویذات بھی نوٹ کر لئے تھے، وہ نہ ان کی تصنیف ہیں اور نہ وہ ان کے مجربات میں ہیں، ان حضرات کا طریقہ یہ تھا کہ کسی نے کسی حاجت کے لئے تعویذ کی فرمائش کی، اس وقت جو ذہن میں آیت یا کوئی مناسب دعا آئی لکھ دی، اس کا کام ہوگیا۔ حضرت سیّد احمد شہید علیہ الرحمہ ہر حاجت کے لئے ایک جملہ لکھا کرتے تھے، ''خدایا اگر منظور داری، حاجتش را برآری'' خالص تفویض وتوکل! حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے ایک شخص کو لکھ کر دیا تھا کہ ''الٰہی میں جانتا نہیں، یہ مانتا نہیں، یہ تیرا بندہ اور تیرا غلام، تو جانے اور تیرا کام'' یہ ان اکابر کے تعویذات کا انداز تھا، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

قدس سرہٗ نے حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کو اس بات کی وصیت کی تھی کہ جب کوئی حاجت مند آئے، تو ذہن میں جو دعا یا آیت بے تکلف آجائے، پڑھ دیا کرو یا بتادیا کرو۔

لیکن آج کل اصحابِ دیوبند میں اس سلسلے میں غلو شروع ہوگیا ہے، بعض لوگ باقاعدہ عملیات کا کاروبار کرنے لگے ہیں، اکابر علماءِ دیوبند کی طرف منسوب کرکے بے دھڑک تعویذات کی کتاب چھاپنے لگے ہیں، اور ان میں کوئی وضاحت اس بات کی نہیں کرتے کہ یہ ان کی تصنیف ہے، یا کسی نے ان کی کسی بیاض سے ترتیب دی ہے، اور اس میں کتنے الحاقات واضافات کردیئے ہیں، حد تو یہ ہے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا ترجمۂ قرآن چھپتا ہے، اور اس کے شروع میں تمام سورتوں کے نقوش چھاپے جاتے ہیں، اور اس میں کوئی وضاحت نہیں ہوتی کہ حضرت تھانویؒ کا اس سے کوئی تعلق نہیں، نہ جانے کس نے یہ نقوش تیار کئے ہیں، لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت تھانویؒ کا ترجمہ ہے، تو انھیں نے یہ نقوش بھی لکھے ہوں گے، اور اب مزید اس پر زیادتی یہ ہورہی ہے کہ بعض لوگ اس سلسلے میں گمراہ کن مضامین بھی لکھ دیتے ہیں۔

ابھی حال میں ترجمان دارالعلوم جدید کا مولانا وحید الزماں کیرانوی نمبر شائع ہوا، مولانا مرحوم کی باکمال شخصیت پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے، جس میں مولانا کے کمالات کو اجاگر کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ بعض مضامین میں ان کی بیماری کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، اور پورے تیقن کے ساتھ دعویٰ کیا گیا ہے کہ مولانا پر زبردست سحر تھا، اور اس کو اتارنے کا وقت گزر چکا تھا، ایک صاحب نے لکھا ہے کہ:

ان کو ہلاک کر دیا گیا، کن دشمنوں کے ہاتھوں؟ یہ بات صرف عالم الغیب جانتا ہے، اس بارے میں بدظنی کرنا، شبہ کرنا، قیاسی گھوڑے دوڑانا، اور کسی کے نام تہمت دھرنا گناہِ عظیم ہے۔ (ص:۲۵۶)

ان صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مولانا وحید الزماں صاحب کو عاملین کی کثیر رائے کے مطابق جادو کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، اس لئے ان کی موت فطری نہیں، بلکہ غیر فطری طور پر واقع ہوئی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

بشرطیکہ عاملین کے علم ظنی کو یقینی کے درجہ میں رکھا جائے، زبانِ خلق واقعی اگر نقارۂ خدا ہوتی ہے، تو تمام عاملین کی ایک رائے یقینی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ (۲۵۶)

اسی پر بس نہیں، پھر یہ صاحب اپنی ایک لغزش کا بھی ذکر ضروری سمجھتے ہیں، جسے ان کے بقول ایمان کی کمزوری سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، وہ یہ کہ یہ صاحب اس سلسلے میں ایک پنڈت کے منڈپ میں جاپہونچے، اور پھر پنڈت کی زبان سے مولانا کے سحر کی تفصیلات سنیں تو .... یقین جانئے کچھ لمحوں کے لئے تو عالم حیرت نے عقیدۂ علم الغیب کو خطروں کے نرغے میں لا کھڑا کیا۔ (ص:۲۶۶)

یقین نہیں آتا کہ یہ باتیں ایسا شخص لکھ سکتا ہے، جس کا تعلق علماء دیوبند سے ہو، سحر ہونے کا بیشک امکان ہے، لیکن عاملین کی کثرتِ رائے، یقین کیا ظن کے درجہ کو بھی نہیں پہونچتی، یہ محض وہم اور خیال کا کرشمہ بھی ہوسکتا ہے، عاملوں کا کیا ہے یہ تو ہر ایک میں سحر، جن، آسیب بتاتے رہتے ہیں، عملیات کی اس اندھی دنیا میں سچ کو جھوٹ سے پرکھنے کا کیا ذریعہ ہے؟ تیقن کا یہ درجہ اور یہ آہنگ، جو اس مضمون میں نظر آرہا ہے وہ ہرگز مناسب نہیں، پھر پنڈت کے پاس ایک ایمان

والے کا جانا، اور اس کی باتیں سن کر عقیدۂ علم الغیب کا تھوڑے ہی لمحے کیلئے سہی خطروں کے نرغے میں آجانا، یہ کیا ہے؟ کیا اسلامی تعلیمات سے اس کا کوئی جوڑ ہے؟ ترجمان دارالعلوم جیسے رسالے میں ایسے مضامین کا آنا باعثِ افسوس ہے۔

اس میں لکھنے والے نے اس بدگمانی سے تو احتراز کیا ہے کہ وہ دشمن یعنی ساحر کون ہے، جس کے ہاتھوں ان کو ہلاک کیا گیا ہے، لیکن عبارت کا لہجہ بتارہا ہے کہ کچھ لوگوں نے ان پر سحر کرا کے ان کو ہلاک کرایا ہے، ان کا نام نہیں لیا گیا ہے، لیکن یہ بات ایسے سیاق میں کہی گئی ہے کہ اس نمبر کو پڑھنے والے ہر شخص کا ذہن خود بخود کچھ حضرات سے بدگمان ہوجائے گا، یہ ایسا کنایہ ہے جو صراحت سے بڑھ کر ہے۔

سحر کے تیقن کا ذریعہ کسی عامل کے پاس نہیں ہے، عملیات میں عامل کے خیال کا بڑا دخل ہوتا ہے، عملیات کے نتائج عموماً عامل کے خیالات کے تابع ہوکر آتے ہیں، یہ ایک مستقل موضوع ہے، جس پر موقع ہوا تو انشاءاللہ علیحدہ مفصل کلام کیا جائے گا۔

مولانا عرصۂ دراز سے شوگر اور تبخیر کے مریض تھے، اس سے ان کے اعضاءِ رئیسہ متاثر تھے، اور وہ اپنے جسم سے اس کی طاقت سے زیادہ کام لینے کے عادی تھے، ایسے صورت میں لاعلاج امراض کا پیدا ہوجانا کیا بعید ہے۔

میں سحر کے ہونے کا انکار نہیں کرتا، ہاں مجھے اس قطعی تیقن سے انکار ہے ، اس کو صرف شبہ کے درجہ میں رکھنا چاہئے، اور اس طرح کی چیزیں قابل اشاعت نہیں ہوتیں، انھیں مجلسوں میں کہہ لیں، بس یہی کافی ہے۔ ایسی چیزیں جب شائع ہوجاتی ہیں تو اور وہ بھی کسی دینی موقر رسالے میں، تو اس کی حیثیت بہت

اہم ہوجاتی ہے، اور دارالعلوم دیوبند کی ترجمانی کے نام پر نکلنے والے کسی رسالہ میں تو ان چیزوں کا آنا سخت غلط فہمی کا باعث ہے۔

غرض عملیات کا ہر شعبہ قابل اصلاح ہے، اس میں غلو وافراط کی روک تھام پوری قوت سے کرنی چاہئے، اور یہ کام علماء دیوبند ہی بحسن وخوبی کر سکتے ہیں، اس لئے انھیں پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

یہ مکتوب مولانا عطاء اللہ صاحب کو پا گنجی کے نام لکھا گیا، انھوں نے عملیات کے بارے میں کچھ دریافت کیا تھا، اس جواب سے صاحب مکتوب کا نظریہ اس سلسلہ میں بخوبی واضح ہو جاتا ہے، مناسب معلوم ہوا کہ اسے بھی اس رسالہ میں شامل کر دیا جائے۔ مرتب

عزیزم مولوی عطاء اللہ سلّمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تمہارا خط ملا، تم نے عملیات کے بارے میں دریافت کیا، کہ انھیں تم عمل میں لانا چاہتے ہو تو سنو! کہ یہ بات ایک ایسے شخص کے لئے جو عالم دین ہو، خدا اور رسول پر ایمان رکھتا ہو، اللہ پر بھروسہ رکھتا ہو، ہرگز زیبا نہیں ہے، عملیات ایک فتنہ ہے، اس میں پڑ کر آدمی بسا اوقات اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، کتابوں میں جو کچھ اس پر سبز باغ نظر آتے ہیں، جب کرنے لگو گے تو معلوم ہوگا کہ محض سَراب ہیں، اور ان تک پہونچنے کے لئے نہ جانے اپنا کتنا قیمتی سرمایہ برباد کرنا ہوگا، ہرگز اس کے درپے نہ ہو، عملیات نہ کرو، اعمال حسنہ پر کاربند رہو۔

عملیات کا حاصل یہ ہے کہ آدمی خدا کی کائنات کو اپنی مٹھی میں لے کر اپنی مرضی کے تابع بنانا چاہتا ہے، یہ خدا کی جناب میں گستاخی ہے، انسان کا بڑا کمال یہ ہے کہ وہ خود خدا کی مرضی کا تابع بن جائے، پھر اگر ان کو منظور ہوگا تو دنیا کی بہت سی چیزوں کو اس کے تابع بنائیں گے۔

عملیات کا عامل نہ کوئی نبی اور رسول ہوا، اور نہ سلف صالحین! یہودیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر الزام رکھا تھا کہ وہ عامل تھے، ساحر تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کی، اور فرمایا وما کفر سلیمٰن، (سلیمان نے کفر نہیں کیا)۔

ہاروت وماروت کے بارے میں راجح قول یہی ہے کہ وہ فرشتے تھے، ان پر بھی

سحر کا علم اتارا گیا تھا، مگر وہ سحر سفلی نہ تھا۔ آج کل کی اصطلاح کے مطابق ''رحمانی عمل'' تھا، مگر تاثیر کے اعتبار سے وہ بھی عجائبات کا مظہر تھا، اسی لئے اسے بھی سحر کہہ دیا جاتا ہے، یہ علم درحقیقت سفلی سحر کو ختم کرنے اور اس کے علاج کے لئے نازل کیا گیا تھا، تاہم اس میں بھی خطرات واندیشے اسی طرح کے تھے جیسے سحر میں ہوا کرتے تھے، اسی لئے جب کوئی شخص اس فن کو حاصل کرنا چاہتا تو وہ یہ کہہ کر منع کرتے تھے کہ **إنما نحن فتنة فلا تكفر** ، یہ عمل بذاتِ خود کفر نہیں ہے، لیکن نتیجۃً یہ بسا اوقات کفر تک جا پہونچتا ہے۔

ایک بزرگ (۱) سے ایک نوجوان نے دست غیب کا عمل معلوم کرنا چاہا، تو انھوں نے دیر تک اسے سمجھایا، اور آخر میں ایک بہت بلیغ بات ارشاد فرمائی، فرمایا:

''بیٹا! کامل بنو، عامل نہ بنو، عامل وہ ہے، جو خدا کو اپنی منشا کے مطابق چلانا چاہتا ہے، اور کامل وہ ہے، جو خود خدا کی مرضی کے مطابق چلنا چاہتا ہے''

تسخیر قلوب اللہ کی شان ہے، **واعلموا أن الله يحول بين المرء وقلبه** ، تم کو کیا ضرورت ہے، اس شان خداوندی میں شرکت کرنے کی۔ اس خیال کو دل سے نکال دو، عملیات میں نہ پڑو، اللہ کے ذکر میں لگو، اس کی رضا جوئی کے ڈھب نکالو، یہی اصل کام ہے، باقی سب فضول۔ تم کو زیادہ اشتیاق معلوم ہوتا ہے، اس لئے اس پر مفصل گفتگو کر دی، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

والسلام

اعجاز احمد اعظمی

۵؍ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

(۱) یہ بزرگ صوبہ سندھ کے مشہور عالم اور سلسلۂ قادریہ کے نامور شیخ حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی علیہ الرحمہ تھے۔ حضرت موصوف، استاذی مدظلہ کے شیخ ومرشد حضرت مولانا عبد الواحد صاحب دامت برکاتہم کے شیخ ہیں، استاذی مدظلہ نے حضرت مولانا حماد اللہ صاحبؒ کی ایک مبسوط سوانح ''تذکرۂ شیخ ہالیجوی'' کے نام سے لکھی ہے، جو پہلے کراچی سے شائع ہوئی، اور دو سال قبل فرید بک ڈپو دہلی سے شائع ہو چکی ہے، اور پڑھنے کی چیز ہے۔ (ضیاء الحق خیر آبادی)

☆☆☆☆☆

تصانیف حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

(۱) تسہیل الجلالین ’’شرح اردو جلالین شریف‘‘ (جلد اول)

(سورہ بقرہ تا سورہ نساء، سوا پانچ پارے)، صفحات:648 قیمت:400

(۲) حدیث دوستاں

دینی واصلاحی اور علمی وادبی مکاتیب کا مجموعہ، صفحات:730 قیمت:350

(۳) حدیث دردِ دل

مجلّہ المآثر، الاسلام، اور ضیاء الاسلام کے اداریئے صفحات:592 قیمت:300

(۴) کھوئے ہوؤں کی جستجو

مختلف شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ، صفحات:616 قیمت:200

(۵) حیاتِ مصلح الامت

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی کی مفصل سوانح، صفحات:528 قیمت:150

(۶) مدارسِ اسلامیہ، مشورے اور گزارشیں (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

مدارس سے متعلق مضامین کا مجموعہ، صفحات:312 قیمت:150

(۷) بطوافِ کعبہ رفتم ـــــ (سفرنامۂ حج) (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

حرمین شریفین (مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ) کے سفر کی روداد، صفحات:464 قیمت:300

(۸) تہجد گزار بندے (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

تہجد کی اہمیت وفضیلت اور تہجد گزار بندوں کا تفصیلی تذکرہ، صفحات:472 قیمت300

(۹) ذکرِ جامی

ترجمان مصلح الامتؒ مولانا عبدالرحمٰن جامی کے حالاتِ زندگی، صفحات: 216 قیمت: 90

(۱۰) حضرت چاندشاہ صاحب اوران کا خانوادۂ تصوف

حضرت چاندشاہ صاحب ٹانڈوی اوران کے خلفاء کے حالات، صفحات: 180 قیمت: 70

(۱۱) تذکرہ شیخ ہالیجویؒ: سندھ کے معروف شیخ طریقت وعالم اور مجاہد فی سبیل اللہ

حضرت مولانا حماداللہ صاحب ہالیجوی کا مفصل تذکرہ۔ صفحات: 224، قیمت: 56

(۱۲) مودودی صاحب اپنے افکار ونظریات کے آئینہ میں

مولانا بنوریؒ کی عربی کتاب الاستاذ المودودی کا ترجمہ۔ صفحات: 184، قیمت: 95

(۱۳) حکایت ہستی (جدید اضافہ شدہ ایڈیشن)

خودنوشت سوانح، ابتداء حیات سے اختتام طالب علمی تک۔ صفحات: 400، قیمت: 250

(۱۴) **کثرتِ عبادت** عزیمت یا بدعت؟ قیمت ۲۸/روپے

(۱۵) **قتل ناحق** قرآن وحدیث کی روشنی میں قیمت ۱۶/روپے

(۱۶) تعویذات وعملیات کی حقیقت وشرعی حیثیت قیمت ۲۰/روپے

(۱۷) شب برأت کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰/روپے

(۱۸) اخلاق العلماء علماء کیلئے خاص چیز قیمت ۲۰/روپے

(۱۹) دینداری کے دودشمن حرصِ مال وحب جاہ قیمت ۴۰/روپے

(۲۰) فتنوں کی طغیانی ٹی۔وی پر ایک فکرانگیز تحریر! قیمت ۱۵/روپے

(۲۱) اہل حق اوراہل باطل کی شناخت قیمت ۶۰/روپے

(۲۲) مالی معاملات کی کمزوریاں اورانکی اصلاح قیمت ۴۰/روپے

(۲۳) منصب تدریس اور حضرات مدرسین قیمت ۴۵/روپئے

(۲۴) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح قیمت ۳۵/روپئے

(۲۵) برکات زمزم ~~ماءِ زمزم کی فضیلت واہمیت کا بیان~~ قیمت ۲۵/روپئے

(۲۶) تصوف ایک تعارف! قیمت ۸۰/روپئے

(۲۷) خواب کی شرعی حیثیت قیمت ۴۰/روپئے

(۲۸) تکبر اور اس کا انجام قیمت ۳۰/روپئے

(۲۹) مسئلۂ ایصالِ ثواب قیمت ۶۰/روپئے

(۳۰) مروجہ جلسے بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح قیمت ۳۰/روپئے

(۳۱) رمضان المبارک: نیکیوں کا موسم بہار قیمت ۴۰/روپئے

(۳۲) علوم ونکات: (مجموعۂ مضامین) جلد اوّل، دوم قیمت ۱۰۰۰/روپئے

(۳۳) نمونے کے انسان قیمت ۲۵۰/روپئے

اسٹاکسٹ

مکتبہ ضیاء الکتب اتراری، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

PIN:276403 MOB:9235327576

دیوبند میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ

کتب خانہ نعیمیہ، جامع مسجد دیوبند (01336223294)

دہلی میں ہماری کتابیں ملنے کا پتہ

فرید بک ڈپو، پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی ۲ (01123289786)